رسائل و مسائل

اسلامی حدود و تعزیرات سے متعلق چند توضیحات

ملک غلام علی صاحب

(۲)

سوال: میں نے جولائی کے شمارہ کے ترجمان میں آپ کا جواب "اسلامی حدود و تعزیرات سے متعلق چند توضیحات" پڑھا۔ پھر میں نے مشکوٰۃ، ابوداؤد اور بعض دوسری کتب احادیث میں اس موضوع سے متعلق احادیث کا بھی مطالعہ کیا تو میرے ذہن میں بعض نئے اشکالات پیدا ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس عورت کو چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی تھی، اس کے بارے میں بعض حدیثوں میں مذکور ہے کہ اس نے کوئی زیور یا سامان عاریۃً لیا تھا اور پھر مکر گئی تھی جس پر اسے قطع ید کی سزا ملی۔ کیا مانگے کی چیز سے انکار بھی چوری کی تعریف میں آتا ہے یا اس پر چوری کی حد یعنی قطع ید جاری ہو سکتی ہے؟ پھر سنن ابی داؤد میں یہ بھی ہے کہ اس عورت کو سزا دینے سے پہلے آنحضور نے فرمایا کہ جس عورت سے جرم ہوا ہے، کیا وہ توبہ کرے گی؟ مگر جب اس نے توبہ نہ کی تو حد نافذ کر دی گئی، تو کیا توبہ سے حدِ سرقہ یا دوسری کوئی حد شرعی ساقط ہو سکتی ہے؟ اگر ان احادیث پر پیدا ہونے والے ان سوالات کا جواب بھی ترجمان کے ذریعے دے دیا جائے اور ان اشکالات کو رفع کر دیا جائے تو مناسب ہو گا۔

جواب: قطعِ ید کی سزا کا زیادہ مشہور واقعہ جو عہدِ نبوی میں پیش آیا ہے وہ قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت کا ہے۔ اس کے متعلق بلاشبہ بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ وہ عورت زیور وغیرہ مستعار لے جاتی تھی اور بعد میں مکر جاتی تھی، بعض احادیث میں مانگنے کے بجائے چرانے کا ذکر آیا ہے۔ اس

سے جو اشکال پیدا ہو سکتے ہیں، فقہاء و ائمہ نے مختلف طریق پر ان کا جواب دیا ہے جس کی ضروری تفصیل درج ذیل ہے۔

اوّلین امر جو قابلِ ذکر ہے وہ یہ ہے کہ صحیح ترین احادیث میں عاریۃً لینے کے بجائے سرقہ ہی کا ذکر ہے۔ مثال کے طور پر بخاری، کتاب الحدود، کراہیۃ الشفاعۃ فی الحد ...... میں ایک ہی حدیث امام بخاری نے ہے جس کا ترجمہ یوں ہے۔

"حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ قریش اس مخزومی عورت کے معاملے میں بہت فکر مند اور پریشان تھے جس نے چوری کی تھی (سرقت)۔ کہنے لگے: کون ہو سکتا ہے جو اس معاملے میں سفارش کی جرأت کرے سوائے اُسامہؓ بن زید کے جو آنحضورؐ کو نہایت محبوب ہیں؟ چنانچہ حضرت اُسامہ نے آپ کی خدمت میں عرض کی تو آپؐ نے فرمایا: کیا تم حدود اللہ کے بارے میں سفارش کروگے؟ پھر آپؐ نے قیام فرمایا اور خطبہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم میں سے پہلے اسی لیے گمراہ ہوئے کہ ان کے اُونچے خاندان والے نے چوری کی تو اُسے چھوڑ دیا اور جب کمزور نے چوری کی تو اس پر حد جاری کر دی۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو میں اُس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔"

اس حدیث میں نہایت وضاحت وقطعیت کے ساتھ بار بار سرقے کا لفظ آیا ہے جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت نے چوری ہی کی تھی اور چوری ہی پر اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ چوری کے ساتھ اُسے مانگنے کی چیز سے انکار کرنے کی بھی عادت ہو مگر چوری کی مجرم ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں۔ کیونکہ سرقے کے لفظ کا اطلاق مستعار شے کے انکار پر عربی زبان میں نہیں ہوتا۔

صحیح تر قول کے مطابق اس خاتون کا نام فاطمہ تھا اور اس واقعہ کے وقت بناتِ طیبات میں سے صرف حضرت فاطمہ بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی حیات تھیں، اس لیے آنحضورؐ نے بطور خاص ان کا نام لیا۔ یہ چوری کرنے والی فاطمہ جلیل القدر صحابی حضرت ابو سلمہؓ کی بھتیجی تھیں جو ام المومنین ام سلمہؓ کے سابق خاوند تھے۔ حضرت عائشہ رضؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ ان خاتون نے صدق دل سے توبہ کر کے شادی کر لی تھی اور آنحضورؐ سے مختلف معاملات و مسائل میں رجوع کے لیے یہ میرے پاس آتی تھیں۔ اور میں آپ سے پوچھ کر انہیں جواب دیتی تھی۔ اکثر محدثین نے سرقے کی بجائے عاریت کی روایات کو شاذ ہونے کی

بنا پر ناقابل قبول قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے امام قرطبیؒ کے حوالے سے لکھا ہے:

روایۃ انہا سرقت اکثر واشہر من روایۃ الجحد۔

وہ روایت جس میں چوری کا ذکر ہے، اس روایت سے زیادہ مشہور اور کثیر الاسناد ہے جس میں مانگ کر مکر جانے کا ذکر ہے۔

صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں بھی دونوں طرح کی روایات موجود ہیں۔ امام نووی ان کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علماء کے نزدیک ان روایات سے مراد یہ ہے کہ اس عورت کو قطع ید کی سزا چوری پر ملی تھی۔ اشیاء عاریت لینے کا ذکر اس عورت کی ایک مزید صفت اور پہچان کے طور پر کیا گیا ہے اس لیے نہیں کیا گیا کہ مستعار چیزوں سے انکار پر اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ امام مسلم نے ساری روایات کو جمع کر دیا ہے۔ لیکن قطعِ ید والی روایات میں تصریح ہے کہ یہ حد چوری کے سبب جاری ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قطعِ ید کی سزا کا واقعہ ایک ہی ہے جو اس خاتون سے متعلق ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے یوں بھی کہا ہے کہ دونوں واقعے مختلف ہیں مگر عاریت لینے پر قطعِ ید والی روایت شاذ اور اکثر راویوں کی روایت کے مخالف ہے، اس لیے ناقابلِ عمل ہے۔ جمہور علماء کا مسلک یہی ہے کہ مستعار شئے سے انکار قطعِ ید کا موجب نہیں ہے۔"

امام ابوداؤد نے جہاں عاریت سے منکر ہونے والی روایت درج کی ہے، اس کی شرح میں مولانا شمس الحق نے عون المعبود میں امام زیلعی کے حوالے سے لکھا ہے:

و ظہر ان ذکر العاریۃ انما کان تعریفًا لہا بخاص صفتہا اذ کانت کثیرۃ الاستعار حتی عرفت بذلک کما عرفت بانہا مخزومیہ واستمر بہا ھذا الصنیع حتی سرقت فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقطعہا۔

یہ بات ظاہر ہے کہ اس عورت کے عاریۃً سامان لینے کا ذکر اس لیے ہے کہ اس کی یہ عادت تھی کہ وہ اکثر چیزیں مستعار لے جاتی تھی۔ گویا کہ جس طرح مخزومی قبیلے سے ہونا اس کی ایک صفت تھی اسی طرح مانگے تانگے کی چیزیں حاصل کرنے کی عادت تھی، حتیٰ کہ آخر کار اس نے چوری بھی کی

جس پر آنحضورؐ نے قطع ید کا حکم دیا۔"

تقریباً یہی بات امام خطابی نے اپنی شرح سنن ابی داؤد، معالم السنن میں فرمائی ہے۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں:۔

انما ذكرت العارية والجحد فى هذه القصة تعريفاً لها بخاص صفتها اذ كانت تكثر ذلك كما عرفت بانها مخزومية وكانها لما كثر منها ذلك ترقت الى السرقة وتجرأت عليها۔

(اس روایت میں مستعار لینے اور انکار کرنے کا ذکر اس لیے ہے کہ وہ اس خصلت کے ذریعے پہچانی جا سکے۔ کیونکہ جس طرح اس کا مخزومی ہونا معلوم و مشہور تھا۔ اسی طرح اس کی یہ عادت بھی معروف تھی، پھر اسی نے ترقی کرتے کرتے چوری کی شکل اختیار کی اور اس نے چوری کرنے کی جرأت کی!"

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان روایات پر مفصل بحث کی ہے۔ امام قرطبی کا ایک قول انہوں نے شروع میں دیا ہے جو اوپر نقل ہو چکا ہے۔ آگے چل کر انہوں نے قرطبی ہی کے حوالے سے چند وہ وجوہ نقل کیے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قطعِ ید کی سزا چوری ہی پر دی گئی تھی۔ وہ وجوہ یہ ہیں:

اوّلاً حدیث کے آخر میں لوان فاطمة سرقت...... کے الفاظ ہیں جو قطعی طور پر دلالت کرتے ہیں کہ ہاتھ چوری کی بناء پر کاٹا گیا تھا۔ اگر قطع ید مانگے ہوئے مال سے انکار پر مبنی ہوتا تو پھر چوری کا ذکر غیر ضروری تھا اور آنحضورؐ فرماتے لوان فاطمة جحدت العارية .... (اگر فاطمہؓ بھی مستعار مال سے انکار کرتی .....)

ثانیاً اگر یہ قطع ید کی سزا انکار عاریہ پر ہوتی تو جو مال بھی کسی کے ذمے واجب الاداء ثابت ہو جاتا اور وہ اس کی ادائیگی یا واپسی سے انکاری ہوتا، اس پر قطع ید کی حد لازم آتی خواہ یہ مال مانگ کر لیا جاتا یا کسی دوسرے طریق پر انکار کرنے والے کے ذمے نکلتا۔

ثالثاً اگر عاریت والی روایت کا یہ مفہوم لیا جائے کہ اس کی رُو سے مانگ کر لے جانے اور اس کی واپسی سے انکار کرنے پر بھی ہاتھ کاٹنا ضروری ہے تو یہ اس قوی حدیث کے خلاف

پڑتا ہے جس میں آنحضور نے فرمایا ہے:

لیس علی خائن ولا مختلس ولا منتھب قطع۔

(خائن اور چھین جھپٹ کر لینے والے پر قطعِ ید کی سزا نہیں)

حافظ ابن حجرؒ قرطبیؒ کے ان دلائل پر تبصرہ کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

"خائن وغیرہ اور چھین کر لے جانے والے کے بارے میں اجماع ہے کہ اس پر قطع ید کی حد جاری نہیں ہوگی۔ جب تک کہ اس کا فعل رہزنی (قطع الطریق) کی تعریف میں نہ آئے۔ (البتہ خیانت وغیرہ پر کوئی تعزیری وتادیبی سزا یا تاوان عائد ہو سکتا ہے)۔

اب تک کی بحث سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ حدیث یا سنت میں جہاں ہاتھ کاٹنے کی حد کا ذکر ہے اس کا تعلق سرقے سے ہے، کسی دوسری طرح کی خیانت یا غصب سے نہیں ہے۔ قرآن مجید میں بھی والسارق والسارقۃ ...... کے الفاظ ہیں، جن کا اطلاق بالاتفاق چوری کرنے والے مرد اور عورت پر کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ قطع ید کے لیے حدیث میں کچھ دیگر لوازم و شرائط بھی مذکور ہیں جن کی روشنی میں فقہاء و محدثین نے جامع قواعد و ضوابط بیان فرما دیے ہیں، مثلاً یہ کہ مال مسروق محفوظ جگہ سے چرایا گیا ہو، وہ جلد خراب ہو جانے والا نہ ہو، اس کی قیمت ایک خاص نصاب تک پہنچتی ہو، اس کی ملکیت میں چور حصہ دار نہ ہو، وغیر ذلک جس کی تفصیل کا یہ موقع و محل نہیں۔

اس کے بعد اب حدیث کے اس ٹکڑے کے متعلق توضیح باقی رہ جاتی ہے جس میں آنحضورؐ کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ کیا وہ عورت اللہ اور اس کے رسول کی طرف تائب و راجع ہوتی ہے، مگر وہ نہ اٹھی، نہ اس نے کوئی بات کی۔ روایت کے اس حصے کے بارے میں امرِ اوّل جو قابلِ وضاحت ہے، وہ یہ ہے کہ یہ آخری الفاظ ایک راویہ صفیہ بنت ابی عبید نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیے ہیں۔ مگر ان دونوں کا ہم عصر ہونا اور صفیہ کا ابن عمرؓ سے سماعتِ حدیث کرنا ثابت نہیں، اس طرح سند میں انقطاع کی وجہ سے ضعف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حد جاری کرنے سے پہلے اگر آنحضورؐ نے اُسے توبہ کی تلقین کی ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ توبہ کرنے پر حد ساقط ہو جاتی۔ بعض شارحین نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ آنحضورؐ چونکہ شارع تھے تو ممکن ہے کہ آپ توبہ کے بعد سزا نافذ نہ فرماتے، ساتھ ہی ان حضرات نے فرمایا کہ یہ اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ماسوا کسی دوسرے کو حاصل

نہیں ہے۔ بہر کیف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آنحضورؐ نے حدود کے معاملے میں اس طرح کے اختیار کو کبھی استعمال نہیں فرمایا۔ دیگر نصوص کتاب و سنت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ مجرد توبہ کے بل پہ حدود شرعیہ میں سے صرف محاربہ اور فساد فی الارض کی وہ دنیوی حد ہی معاف ہو سکتی ہے جو سورۂ مائدہ میں مذکور ہے جس کے مجرم کو فقہی اصطلاح میں راہزن یا قاطع الطریق کہا جاتا ہے اور یہ معافی بھی قرآنی تصریح کے مطابق اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ مجرم قابو پائے جانے اور گرفتار ہونے سے پہلے تائب ہو کر از خود اپنے آپ کو پیش کر دے۔ آنحضورؐ نے جن حدود کا اجراء اپنے سامنے فرمایا ہے ان میں بالعموم آپ مجرم کو توبہ کی تلقین فرماتے تھے۔ یہ تلقین و ترغیب اجرائے حد سے پہلے بھی ہو سکتی تھی اور قصاص و حدود کی جن صورتوں میں سزائے موت نہیں، ان میں نفاذِ حد و قصاص کے بعد بھی ہو سکتی تھی۔ بعض مرتبہ آنحضورؐ نے حد جاری ہونے کے بعد توبہ کرائی لیکن یہ خاص واقعہ جس کے متعلق سوال کیا گیا ہے، ہو سکتا ہے کہ اس میں آپؐ نے حد سے پہلے توبہ کی دعوت دی ہو اور آپ کا ارادہ توبہ کے بعد حد نافذ کرنے کا ہو۔ حدیث کے اس حصہ میں یہ بات نہیں فرمائی گئی کہ اگر تم توبہ کر لوگی تو دنیوی سزا سے بچ جاؤ گی۔ اس روایت میں صرف یہ الفاظ زیادہ ہیں:

هل من امرأة تائبة الى الله عز وجل ورسوله

اس میں شک نہیں کہ جہاں تک اخروی عقوبت کا تعلق ہے اس سے مجرم کو نجات دلانے والی چیز سچی توبہ ہی ہے۔ جرم کا مرتکب اگر سچے دل سے تائب نہ ہوا اور دنیا میں سزا پانے پر وہ اللہ سے اور زیادہ دور ہوا اور دل میں کڑھتا اور پیچ و تاب کھاتا رہے تو اس کے لیے دنیا کی سزا آخرت کا کفارہ مشکل ہی سے بن سکتی ہے۔ لیکن یہ امر حکمت شریعت کے منافی ہے کہ کسی مجرم سے یہ کہا جائے کہ اگر تو توبہ کرلے تو تیرے لیے حد ساقط کر دی جائے گی، بالخصوص وہ مجرم جو جرم کا عادی ہو، یا ارتکاب کے بعد اس سے انکاری ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر توبہ و رجوع کے بعد کسی گنہ گار کو حد معاف فرماتے تو اس درگذر کے سب سے زیادہ مستحق وہ حضرات تھے جنہوں نے خود حضور نبوی میں پیش ہو کر بتکرار و اصرار اپنی خطا کا اقرار کیا۔ مثلاً حضرت ماعزؓ بن مالک یا قبیلۂ غامدیہ کی وہ اللہ کی بندی جس نے وضع حمل اور بچے کو دودھ چھڑانے کے بعد بھی اپنے آپ کو حدِ رجم کے لیے پیش کیا۔ اگر ان سے توبہ نہیں کرائی گئی یا ان سے توبہ کرانا مذکور نہیں ہے۔ تو

(باقی بر صفحہ ۴۸)